ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاریؒ

شفیق استاد، دل نواز مزکی، نظریہ شناس محقق

محمد عبداللہ جاوید

۳/اکتوبر ۲۰۱۲ء کی شام نماز عصر سے پہلے بڑی دل خراش اطلاع ملی کہ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری انتقال فرما گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، حسنات کو شرف قبولیت بخشے، جنت الفردوس عطا فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔ آمین!

موصوف طویل قیام کے بعد ۱۸/ستمبر کو امریکا سے علی گڑھ واپس آ گئے تھے۔ طبیعت ٹھیک ہی تھی البتہ پیروں میں درد کی شکایت تھی۔ ۳/اکتوبر کو نماز ظہر ادا کی، دوپہر کے کھانے سے فراغت کے بعد سینے میں درد کی شکایت کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے درد نے شدت اختیار کر لی اور موصوف پلنگ پر لیٹے لمبی سانسیں لینے لگے۔ دواخانے لے جا رہے تھے کہ راستے ہی میں روح پرواز کر گئی۔ ۴/اکتوبر کی صبح ۹:۳۰ بجے جامع مسجد، سرسید نگر، میں محترم امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری نے نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ اسی مسجد سے متصل شوکت منزل قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ جس میں ذمہ داران مرکز، شہر کی بااثر شخصیات کے علاوہ اطراف کے مقامات سے رفقائے تحریک نے شرکت کی۔ ڈاکٹر عبدالحق انصاریؒ کے انتقال سے تحریک اسلامی کی علمی و فکری ضروریات کو پورا کرنے والی ایک نہایت ہی معتبر شخصیت اب ہمارے درمیان نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ اس کی تلافی فرمائے اور تحریک اسلامی کو ان کا نعم البدل عنایت کرے۔ آمین!

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، ۱۹۳۱ء کو تمکوہی، مشرقی یوپی میں پیدا ہوئے۔ موصوف علیم الدین انصاری مرحوم کے بڑے صاحب زادے تھے۔ ان کے علاوہ پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ کے دو بھائیوں اور ایک بہن کا انتقال ہوا ہے۔ دو بھائی امریکا میں رہتے ہیں۔ ایک بھائی ان کے آبائی وطن میں ہیں اور ہمشیرہ کلکتہ میں مقیم ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ رابعہ ہیں۔ اور چار بیٹیاں عذرا، زہرہ، سلمیٰ، شیما، اور ایک بیٹا خالد ہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی۔ ۱۹۴۹ء میں اسلامیہ کالج سے انٹر کیا۔ اسی دوران تحریک اسلامی سے متعارف ہوئے۔ پھر ندوۃ العلما سے عالمیت کا کورس کیا۔ مرکز کی جانب سے رام پور میں قائم درس گاہ اسلامی میں تین سال (۵۳-۱۹۵۱) تعلیم کے حصول میں صرف کیے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا صدرالدین اصلاحیؒ، مولانا عبد السمیع قدوائیؒ، مولانا عبد الغفار ندویؒ، مولانا اختر احسن اصلاحیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں علی گڑھ سے بی اے کیا اور ۱۹۵۹ء میں فلسفے میں ایم اے۔ ابن مسکویہ کے فلسفہ اخلاق (Ethical Philosophy of Mishkawi) پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ فراغت کے بعد شانتی نکیتن یونی ورسٹی، مغربی بنگال میں لیکچرر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اسی دوران مشہور مستشرق ولفریڈ کینٹ ول اسمتھ سے ملاقات ہوئی اور ان کی دعوت پر ۱۹۷۲ء میں آپ نے ہارورڈ یونی ورسٹی سے 'ماسٹرز ان تھیالوجی' کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کی تدریسی خدمات ملک اور بیرون ملک میں رہی ہیں۔ سعودی عرب اور سوڈان قابل ذکر ہیں۔ اس دوران آپ نے کئی زبانوں کو ضرورت کے لحاظ سے سیکھا، جرمن، فرنچ، سنسکرت، یونانی اور عبرانی۔ عربی، انگریزی اور ہندی زبانوں میں تو آپ کو دست رس حاصل تھی۔

موصوفؒ اپنے طالب علمی ہی کے زمانے سے جماعت اسلامی سے وابستہ تھے، اور اپنے تعلیمی ارتقا کی طرح تحریکی سرگرمیوں کو بھی اسی نہج پر جاری رکھا۔ مغربی بنگال کے اس وقت کے امیر حلقہ جناب عبد الفتاحؒ سے بڑا خصوصی لگاؤ تھا۔ انھی کی ہدایت کے مطابق مختلف سرگرمیاں انجام دیتے۔ قریبی حلقوں، بہار اور یوپی کے بھی مختلف اجتماعات میں شرکت ہوتی۔

● **علمی خدمات:** ڈاکٹر صاحبؒ نے فلسفہ، اخلاق، تصوف، تزکیہ نفس، احیاے دین جیسے موضوعات کے علاوہ مختلف تحریکی ضروریات کے تحت کئی کتابیں اردو، انگریزی اور عربی زبانوں میں تصنیف فرمائی ہیں۔ مختلف یونی ورسٹیوں اور اداروں کے خصوصی مجلّوں کے لیے تحریریں تصنیف

کی ہیں۔ تحقیقی مقالہ جات بھی متنوع موضوعات پر تصنیف فرمائے ہیں، جن میں اسلامی فلسفہ اخلاق، تصوف، مذہبیات، مجددین اُمت اور صوفیاے کرام، ابن مسکویہ کے تصورات، تقابلی مطالعہ ادیان اور دعوت قابل ذکر ہیں۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی سیمی ناروں اور مذاکروں میں شرکت کے ذریعے انھی موضوعات کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر فرمایا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحقؒ اصلاً ایک محقق تھے جنھوں نے صرف نری تحقیق پر انحصار نہیں کیا کہ کسی موضوع کی تہہ تک جاکر اس کی گتھیاں سلجھانے کی حد تک اپنے کام کو محدود رکھتے، بلکہ اپنی تحقیق کو مقصدیت سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی، اور یہی آپ کے علمی کارناموں کا طرۂ امتیاز ہے۔ اصل میں کسی فرد کے کارناموں کو ایک صحت مند نظریہ ہی تاریخی بنا سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ کے کارناموں کی آفاقیت کی وجہ ان کا صاف و شفاف نظریہ ہی تو ہے۔ اس لیے بجا طور پر ڈاکٹر عبدالحقؒ کو ایک نظریہ شناس محقق کہا جاسکتا ہے جن کے علمی و تحقیقی کارنامے، ان شاءاللہ تحریک اسلامی کی علمی ضروریات کی تکمیل کرتے رہیں گے۔ اس امر کی مزید صراحت مرحوم کی تصانیف کے جائزے سے ہوتی ہے۔

ایک ایسا ماحول جہاں زندگی کا مقصد واضح نہیں، اور اگر ہے بھی تو افراط وتفریط کا شکار، اس تناظر میں 'مقصد زندگی کا اسلامی تصور' کو موصوفؒ نے بڑے ہی توازن کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کو پڑھنے کے بعد کسی قسم کی الجھن باقی نہیں رہتی۔ تصوف میں غلو اور روحانیت کے غیر متوازن تصورات کے برعکس بڑے پُرزور انداز سے تصوف کے ان قابل تقلید پہلوؤں کو اُبھارا جو فی الواقع روحانی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ تصوف اور شریعت اس لحاظ سے ان کی ایک معرکہ آرا تصنیف قرار دی جاسکتی ہے جس میں بڑے ہی مدلل انداز سے اسلام مخالف پہلوؤں کی وضاحت بھی ہے اور بڑی صراحت کے ساتھ اچھے پہلوؤں کو ابھارا بھی گیا ہے۔ ملت اسلامیہ اور بالخصوص جماعت اسلامی کے حلقوں میں جو روایتی انداز سے مصلحین امت کے سلسلے میں رائے قائم ہے، اور ان سے عقیدت و محبت کا جو تعلّق ہے، اس تناظر میں مجددین امت کا مختلف پہلوؤں سے تعارف کرایا۔ امام ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرھم سے متعلّق انھوں نے بڑے ہی واضح انداز سے ان امور و مسائل کو بیان کیا ہے جس سے ملت میں ان حضرات سے معنوی استفادے کا ایک فطری جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ مجددین اُمت اور تصوف

اس موضوع پر ایک اہم اضافہ مانا جاسکتا ہے۔ آگے چل کر آپ نے مجددین کی فہرست میں مولانا مودودیؒ کو بھی شامل کرلیا، اور افادات مودودیؒ اس ضمن میں ایک بامعنی تصنیف ہے۔ آپؒ کے نزدیک قریبی دور میں چار اہم مجددین قرار پائے۔ امام ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور مولانا مودودیؒ۔ نوجوانوں کی تربیت کے لیے ان چاروں مجددین کا تفصیلی مطالعہ کرایا۔ اس تاکید کے ساتھ کہ ان کے افکار و خیالات کا مطالعہ، احیاے اسلام کے لیے کیا جانا چاہیے۔ کسی شخص کے افکار کو قطعی نہ سمجھنا چاہیے، جہاں کھٹک محسوس ہو، وہاں ٹھیر کر غور و فکر کرنا اور صحت مند تبادلۂ خیال کا ایک ماحول بنانا چاہیے۔ ہندستان جیسے تکثیری سماج میں قومی یک جہتی کا کیا مفہوم اور تقاضے ہیں، ان کی کتاب قومی یک جہتی اور اسلام، بخوبی واضح کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کا امام ابن تیمیہؒ کا انتخاب بڑا بامعنی محسوس ہوتا ہے، جن کے معاشرت و سیاست سے متعلق افکار و خیالات سے استفادے کے لیے آپ نے قابلِ قدر کوشش کی ہے۔

● دعوت: ڈاکٹر صاحبؒ ایک لمبی مدت تک بیرون ممالک میں رہے ہیں۔ ہندستان آنے کے بعد دعوتی ترجیحات کا جس انداز سے ذکر فرمایا کرتے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہاں کے حالات سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ اپنے وطن واپس آنے کے بعد موصوف نے یہ جاننے اور سمجھنے کے لیے کہ دعوتی کام کن حلقوں میں کس نہج پر انجام پارہا ہے، ملک کے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ انھوں نے بحیثیت امیر جماعت، دعوت دین کے سلسلے میں جو ترجیحات متعین فرمائیں وہ اسی کی غماز ہیں۔ دعوت دین پہنچانے کے معنی کیا ہیں اور اس میں کون کون سے کام اور مراحل شامل ہیں، بخوبی واضح کیا۔ موصوف چونکہ تقابل ادیان کے میدان سے بھی متعلق رہے ہیں اس لیے وہ بطور خاص ہندومت اور عیسائیت سے متعلق بتاتے جاتے کہ ان ان پہلوؤں سے اسلام کا مطالعہ اور کام ہونا چاہیے۔ ہندومت کے متعلق بنیادی عقائد کی دعوت، غلط فہمیوں کا جواب، مذہب، زندگی بعد الموت وغیرہ کے سلسلے میں پائے جانے والے غلط تصورات کا ازالہ ان کا خاص ہدف تھا۔ عیسائیت سے متعلق تصور تثلیث پر زیادہ زور دیا کرتے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کا ابن مریمؑ کی حیثیت سے ذکر کن حکمتوں سے کیا گیا اس کی وضاحت کرتے۔

تزکیۂ نفس سے متعلق بنیادوں کی وضاحت کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ نے انسان کے حقیقی

تصور پر زور دیا ہے کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے فرماتے کہ علم اور خیر وشر کی تمیز سے انسان خلیفہ بنتا ہے۔ اس ضمن میں دوسرا اہم پہلو قرآنی اصولوں کی وضاحت تھا جس کے تحت وہ سورۂ حدید کی آیت ۱۰ کا ذکر فرماتے۔ اور تیسرا اہم پہلو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تزکیہ سے متعلّق تھا۔ آپ کے علمی کارناموں میں فارابیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن مسکویہؒ اور طحاویؒ پر کام قابلِ قدر ہے۔ آپ کی انگریزی تصانیف میں بڑی گہرائی و گیرائی محسوس ہوتی ہے بہ نسبت اردو زبان میں لکھی گئی کتابوں کے۔ آپ کے مختلف مقالہ جات ملک کی نام وَر یونی ورسٹیوں کے علاوہ امریکا اور لندن کے معروف اداروں سے بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ پنجاب یونی ورسٹی کے ربع صدی کے تقریب کے موقع پر جو خصوصی مجلّہ شائع ہوا اس میں ڈاکٹر صاحبؒ کا مضمون Mysticism and Islam کو بڑا نمایاں مقام حاصل ہوا جس کو بعد میں مزید اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا۔

● اخلاق حسنہ: ڈاکٹر صاحبؒ کو دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ذہنوں میں تازہ ہوتا تھا، اَلْمُؤْمِنَ غِرٌّ کَرِیْم، مومن شریف النفس اور بھولا بھالا ہوتا ہے۔ نرم مزاج، کم گو اور دھیمی انداز میں گفتگو کرنے والے۔ شخصیات سے متعلّق بڑے محتاط انداز سے گفتگو فرماتے۔ تحریکی ضرورتوں کا واضح شعور اور ان کی تکمیل کی پُرعزم کوشش، یہ اور اس طرح کی کئی خوبیوں سے آپ کی شخصیت منزہ تھی۔ کبھی غصہ بھی کرتے تھے۔ کسی کام کی تکمیل کے لیے زیادہ انتظار یا تاخیر پسند نہیں تھی۔ تحریک کے تقاضوں کو بیک وقت اڈریس کرنے کو پسند کرتے۔ جب وہ دیکھتے کہ کسی ایک ہی تقاضے پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے تو وہ اپنے مخصوص انداز سے ناراضی کا اظہار فرماتے۔ ایسے وقت آپ کی باڈی لینگویج سے شخصیت کی جو نرم مزاجی ہے وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی۔ تحریکی ضروریات کے تحت ہمیشہ افراد کی علمی وفکری تیاری پر زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ جب بھی ملاقات ہوتی، گفتگو کا ایک مشترک امر تحریکی ضروریات ہوتا۔

آپ کی شخصیت میں روحانی پہلو بڑا نمایاں محسوس ہوتا تھا۔ علم اور عمل کا ایک حسین امتزاج تھے، اور یہی تاثر مرحوم کے دیرینہ رفقا کا بھی ہے۔ علم وعمل کے اس تال میل کا بعض معاملات میں ہم نے بھی مشاہدہ کیا ہے۔ جیسے اللہ سے گہرا تعلّق، جو مختلف اوقات میں ظاہر ہوتا تھا۔ راہِ خدا میں سرگرمی کا ذکر ہو تو خدا کی مدد کا دل نشین انداز سے ذکر فرماتے۔ علم وفہم کے لیے فضل ربانی کا بڑی اہمیّت سے

ذکر فرماتے۔ فرائض کی ادائیگی کے بعد بڑی دیر تک اپنی جگہ بیٹھے تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے۔

کسی اجتماع میں ڈاکٹر صاحبؒ کی آنکھوں میں کم ہی آنسو آتے تھے، لیکن جہاں تعلّق باللہ سے متعلّق کوئی واقعہ ہوتو آنکھیں فوری نم ہو جاتیں۔ دورانِ تعلیم حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ ذکر کرتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی، خصوصاً اس وقت جب یہ ذکر ہوتا کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ہیں اور فرشتہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی تلقین کرتا ہے، تو آپؑ فرماتے ہیں کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح غارِ ثور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کہنا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا، آپ کے اوپر اسی طرح کی کیفیت طاری کرتا۔ آپ کے علمی سفر کو دیکھ کر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کے مطابق عمل ہی نے آپ کو ایک بلند مرتبہ عنایت فرمایا ہے۔ علمی و فکری ارتقا کے لیے لازم علم و عمل کا حسین امتزاج کیا ہی خوب راز ہے، جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واضح فرماتے ہیں: اَلْعِلْمُ اِمَامُ الْعَمَلِ وَالْعَمَلُ تَابِعُہٗ، علم، عمل کا امام ہے اور عمل اس کا تابع۔

● **افراد کی تیاری کا منصوبہ:** تحریک اسلامی کی علمی و فکری برتری قائم رکھنے کے لیے نوجوانوں کی تیاری، آپ کے خاص کاموں میں سے ایک ہے۔ اس کے لیے عربی زبان، اسلامیات اور مختلف ادیان کے مطالعے پر مشتمل ایک جامع منصوبہ تیار کیا تھا، جس سے عصری علوم سے فارغ نوجوانوں کو گزارنا چاہتے تھے۔ ۱۹۹۰ء کے اواخر میں سعودی عرب سے ہندستان آنے سے قبل ہی اس کے بعض اجزا پر کام شروع کیا تھا۔ جب ہندستان آمد ہوئی تو علی گڑھ میں مرکز برائے مذہبی تحقیقات و رہنمائی (Centre for Religious Studies and Guidance - CRSG) قائم کیا جس کا ہمیں طالب علم ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ سعودی عرب میں قیام کے دوران موصوف نے قرآن فہمی اور عربی زبان سے واقفیت کے لیے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ عربی زبان سکھانے کے لیے خصوصی اسباق مرتب کیے اور ان کے مطابق منتخب لوگوں کی تعلیم کا انتظام فرمایا۔ اس تجربے کی بنیاد پر آپ نے Learning the Langauage of Quran کتاب تصنیف کی۔ اسی کے اسباق CRSG میں پڑھائے جاتے تھے۔ کبھی ڈاکٹر صاحبؒ خود پڑھاتے اور کبھی مسلم یونی ورسٹی کے پروفیسروں کی خدمات لی جاتیں۔ عربی زبان کی تعلیم کے علاوہ نوجوانوں کی تیاری کے لیے آپ نے ہمہ جہت منصوبہ بنایا تھا جس کے تین حصّے تھے۔ پہلا حصّہ عربی زبان اور

ادب، تفاسیر قرآن، شروح احادیث وغیرہ پر مشتمل تھا۔ دوسرے حصے میں اسلامیات، جس کے تحت بنیادی عقائد، جمع وتدوین قرآن، علم الحدیث، خلفاے راشدین وتابعین کی زندگیاں، معاشرت، معیشت، فلسفہ، سیاسیات، تاریخ، تصوف، فقہ، تحریکات اسلامی جیسے مضامین شامل تھے۔ تیسرا حصّہ مذہبیات پر مشتمل تھا جس کے تحت دنیا کے چھے بڑے مذاہب اسلام، ہندومت، عیسائیت، یہودیت، جین مت اور بدھ مت کے افکار، عقائد، کلچر، تہذیب وغیرہ کا تقابلی مطالعہ کرایا جاتا۔

● **استاد و مزکی:** ڈاکٹر عبدالحقؒ ہمارے استاد ومربی تھے۔ بڑی شفقت اور محبت سے انھوں نے تعلیم وتربیت دی اور تحریک اسلامی کے لیے زندگی وقف کرنے کا جذبہ پروان چڑھایا۔ استاد محترمؒ، قرآن وحدیث سے براہ راست استفادے کی صلاحیت پیدا کرنے پر بھرپور توجہ فرماتے تھے، اور کہتے تھے کہ اسلام کی نمایندگی کے لیے یہ لازمی ہے۔ انھوں نے کہیں سنا یا پڑھا تھا کہ مولانا مودودیؒ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص چھے ماہ سنجیدہ کوشش کرے تو اتنی عربی سیکھ سکتا ہے کہ قرآن مجید سے براہ راست استفادہ کر سکے۔ مولانا مودودیؒ کے اس قول کو پرکھنے کا انھوں نے مجھے ایک بہترین ذریعہ سمجھا۔ جس کا ذکر خود انھوں نے CRSG کورس کی تکمیل سے پہلے تحدیثِ نعمت کے طور پر کیا۔ کیونکہ میرے علاوہ بقیہ سات طلبہ عربی تعلیم حاصل کیے ہوئے تھے۔

فوکس، علم کے حصول کے لیے یہ آپ کا ہم سب سے بڑا خاص مطالبہ تھا۔ اس کے لیے موصوف کبھی کبھی سنجیدگی کے الفاظ بھی کہا کرتے۔ صرف پڑھائی پر دھیان دینے کی تاکید کرتے۔ اگر کسی وجہ سے ٹیسٹ میں نمبر کم آتے تو فوری اپنے چیمبر میں طلب کرتے اور خوب ڈانٹتے۔ پھر وہی یکسوئی کی تلقین فرماتے۔ ادھر ادھر گھومنے کی اجازت بالکل نہیں تھی۔ اور کہتے کہ ہم تمھیں تحریک کے لیے ہی تیار کر رہے ہیں، کورس بڑا بھاری ہے، اس لیے ہر دن کو اہم سمجھو، پڑھائی پر دھیان دو۔ ہم تمام طلبہ کی خواہش تھی کہ پٹنہ میں منعقد ہونے والی اسلامک اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (ISO) کی پہلی نارتھ انڈیا کانفرنس (نومبر ۱۹۹۶ء) میں شریک ہوں لیکن موصوف نے منع فرمایا اور کہا کہ یہ وقت اپنے آپ کو تحریک کے لیے تیار کرنے کا ہے۔ فلاں فلاں مضامین باقی ہیں اور فلاں مقام سے فلاں صاحب پڑھانے آرہے ہیں۔ پڑھائی پر توجہ دو۔

کُل ہند تربیتی اجتماع منعقدہ چینئی (۲ تا ۴ جنوری ۲۰۱۲ء) میں منتظمین نے ہمارے قیام کا

انتظام استاد محترمؒ کے ساتھ فرمایا تھا۔ یہ قیام موصوف سے تفصیلی استفادے کا آخری موقع تھا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحبؒ کی طبیعت ناساز تھی۔ کمرے میں زیادہ تر خاموش ہی رہا کرتے تھے۔ پیروں میں شدید درد رہتا، پاؤں دبانے کی خواہش ظاہر کی تو منع کرتے۔ اس دوران ویلفیئر پارٹی کے قیام، وابستگان جماعت کی تربیت، علمی وفکری برتری کے لیے ترجیحات کا تعیّن، اسلام کو ایک متبادل کی حیثیت سے پیش کرنے کے طریقوں پر گفتگو کا موقع ملتا رہا۔ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ان ثقیل موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کا موقع نہ مل سکا، البتہ جو بھی آپ سے سنا اس سے بڑی حد تک اطمینان ہوا۔ اس موقع پر موصوفؒ نے قرآن اور احادیث رسولؐ پر ہمارا جو کام ہوا ہے اس سے متعلّق استفسار کیا، مسودہ دیکھ کر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور دعا دی۔ ان کا ایک خاص وصف نوجوان کی تربیت اور ان کی پیش رفت دیکھ کر انتہائی خوشی کا اظہار کرنا تھا۔ یہ موضوع انھیں اتنا عزیز تھا کہ اس کا ذکر جب ایس آئی او کے اجتماعات میں کرتے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ استاد محترمؒ کی نصیحتوں میں تین باتیں بڑی تکرار سے بیان ہوتی تھیں۔ انھی باتوں کو آپ نے بحیثیت امیر جماعت، تمام ہی وابستگان کے لیے مختلف اوقات میں بیان فرمایا: ۱- تعلّق باللہ ۲- علمی وفکری برتری ۳- اخلاقی برتری۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدیؒ کے بعد ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاریؒ کا انتقال، تحریک اسلامی کی علمی وفکری برتری کے لیے مطلوب افراد کی شدید قلت کا تقاضا کر رہا ہے۔ ہمارے سابقین نے اپنے میدان میں مہارت حاصل کرتے ہوئے دین اسلام کی جس باوقار انداز سے، ملک اور بیرونِ ملک نمایندگی فرمائی، وہی اب تحریک اسلامی کی تیسری نسل کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے۔ بلاشبہہ تحریک اسلامی اپنے افکار کی گہرائی، اپنی حکمت عملی کی بالیدگی کے ذریعے جس تیزی سے وسعت اختیار کرتی جارہی ہے، 'جیالوں' کی ضرورت کا احساس کراتی ہے۔ ایسے لوگ جن کے لیے تحریک ایک جنون بن جائے۔ جن کے لیے تحریک سے وابستگی رات اور دن ان تھک جدوجہد کے ہم معنی ہوجائے۔ نصب العین کے واضح شعور سے سرشار اپنے مستقبل سے بڑھ کر تحریک کے مستقبل کی فکر کرنے والے ہوجائیں۔ استاد محترمؒ کی رحلت سے یہی سبق ملا کہ تحریک اسلامی سے والہانہ شغف ہو اور اپنی تمام تر صلاحیتوں سے اسے تقویت پہنچانے کی ہر دم فکر و کوشش۔ آج تحریک اسلامی جن حالات

میں اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہے اس کے لیے فضل الرحمٰن فریدیؒ اور عبدالحق انصاریؒ جیسے اپنے میدان کے ماہرین کی ضرورت ہے۔ دونوں کی رحلت کے بعد تحریک میں اس بات پر سنجیدگی سے غور وفکر ہونا چاہیے کہ کس طرح مختلف سطحوں پر افراد کی تربیت کا نظم ہوسکتا ہے۔ اس کے بغیر تحریک کا اپنے مقصد کے حصول میں محسوس پیش رفت کرنا ممکن نہیں۔

●**نصرتِ دین ہی دنیا کا سب سے بڑا کام**: ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاریؒ کے اساتذہ میں مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کا نام نامی بڑا نمایاں ہے۔ موصوف ان کے طریقۂ تربیت پر روشنی ڈالا کرتے تھے۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے بڑے پرزور انداز میں جو بات کہی ہم نے اس کا اثر ان کے شاگرد رشید کی زندگی میں نمایاں طور پر محسوس کیا ہے، یعنی دنیا میں نصرتِ دین سے بڑھ کر کوئی اور کام نہیں۔ انتقال کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ کا چہرہ بڑا مطمئن نظر آرہا تھا۔ چہرے کے آثار اسی طرح نمایاں محسوس ہورہے تھے، جس طرح کسی اہم کام کی تکمیل کے بعد آرام سے سوتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ بلاشبہہ موصوف نے ایک لمبی عمر پائی، آخیر دم تک کارخیر میں مصروف رہتے ہوئے اپنے دانا ہونے کا ثبوت دیا۔ تدفین کے بعد محترم امیر جماعت سید جلال الدین عمری نے گھر والوں کو صبر کی تلقین فرمائی، ڈاکٹر صاحبؒ سے اپنی جدائی کے صدمے کا اظہار فرمایا، تحریک کے لیے ان کے بے مثال کارناموں کا ذکر فرمایا۔ اس موقع پر رابعہ روتے روتے کہتی جارہی تھیں کہ ہاں، انھیں تو بس جماعت، جماعت، جماعت ہی کا کام عزیز تھا۔ یہ کہنے میں دکھ نہیں بلکہ رشک جھلک رہا تھا۔ افسوس نہیں بلکہ فخر اُجاگر ہورہا تھا۔ اللہ کی راہ میں سرگرم رہنے والوں کے لیے جو انعامات ملتے ہیں ان کے سلسلے میں ہمیں اکثر ڈاکٹر صاحبؒ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ کہہ کر تلقین فرمایا کرتے۔ آج، جب کہ موصوف ۸۱ سالہ جدوجہد کے بعد رب کریم سے ملاقات کے لیے رخصت ہوئے ہیں تو ان کی اہلیہ کے تاثرات اور مرحوم کے بھائی ظفرالحق کا کہنا کہ تمام بھائیوں کی نگاہ میں ڈاکٹر صاحبؒ کی بڑی عزت تھی، اور سبھی انھیں ٹوٹ کر چاہتے تھے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے خدمت گزاروں کے لیے ماحول کو سازگار بناتا ہے، اور لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاریؒ کو غریق رحمت فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَاعْفُ عَنْہُ وَادْخِلْہُ فِی الْجَنَّۃِ - آمین یارب العالمین!